۲۶

پہلے اپنی اصلاح کرو اور پھر محبت اور ہمدردی کے جذبات کے ساتھ دوسروں کی

(فرمودہ ۲۴- اگست ۱۹۳۴ء- بمقام قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے ہر امر کی کامیابی کے حصول کیلئے ایک راستہ مقرر کیا ہوا ہے جب تک کوئی انسان اس راستہ کو اختیار نہ کرے اُس وقت تک اسے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی- دنیا میں لوگ مختلف قسم کی باتیں بیان کرتے ہیں کوئی کہتا ہے ملکی اور قومی ترقی صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ بڑے بڑے بینک ہوں، انشورنس کمپنیاں اور تجارتیں ہوں اور کوئی کہتا ہے کہ ملکی ترقی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ تمام اہم کام چند ممتاز ہستیوں کے سپرد ہوں افراد کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ ملکی کاموں میں دخل دیں اور کوئی یہ کہتا ہے کہ قوم کے تمام افراد ملک کا اہم حصہ ہیں اس لئے خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، ہر شخص کو ملکی امور میں دخل دینے کا حق ہونا چاہیئے-

یہ وہ مختلف خیالات ہیں جو یورپ کی اُس تگ و دو کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں جو وہ راحت و آرام کے حصول کیلئے کررہا ہے لیکن نہ تو اس کے ان بلند معیاروں نے اسے فائدہ دیا جنہیں وہ آج سے ایک سَو سال پہلے تجویز کرچکا تھا نہ وہ عمارت اس کے کام آسکی جس کو پیٹر فریڈرک، نپولین اور الزبتھ نے تیار کیا تھا اور نہ آج وہ عمارت کام آسکتی ہے جسے مارکس وغیرہ قسم کے لوگوں نے تیار کیا- نہ اُس میں انسانی نجات تھی اور نہ اس میں انسان کیلئے

راحت ہے- یہ ساری چیزیں جھوٹی' بے اثر اور غیر مفید ہیں- جو چیز دُنیا کی نجات کا موجب بن سکتی ہے اور جس چیز کے ذریعہ کامیابی اور حقیقی راحت حاصل ہوسکتی ہے وہ وہی ہے جسے اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا اور جو وسطی راستہ ہے - نہ وہ انشورنس کمپنیوں اور ناجائز دولت جمع کرنے کے سامانوں کی طرف جاتا ہے اور نہ وہ مارکس ازم کے ذریعہ تمام افراد کی منفردانہ کوششوں کو توڑ کر جبری طور پر انسانوں میں مساوات قائم کرتا ہے اس لئے امن اُسی ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے جسے اسلام پیش کرتا ہے مگر اس کیلئے بھی کسی جدوجہد اور کوشش اور قربانی کی ضرورت ہے- اللہ تعالیٰ میں بیشک سب طاقتیں اور قدرتیں ہیں مگر وہ اپنی طاقتوں اور قدرتوں کو بعض حالات کے ماتحت ظاہر کیا کرتا ہے- اس میں طاقت ہے کہ وہ بچے کو ایک سیکنڈ میں پیدا کردے مگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ نَو ماہ کے بعد بچے کو پیدا کرتا ہے- اسی طرح اس میں طاقت ہے کہ وہ غلّہ کو ایک سیکنڈ میں اُگا دے مگر وہ کوئی غلّہ پانچ ماہ میں اور کوئی چھ مہینہ میں اُگاتا ہے- پھر اس میں طاقت ہے کہ وہ پھلوں کو ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں پیدا کردے مگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ کسی پھل کو دس سال بعد اور کسی کو بارہ سال بعد پیدا کرتا ہے-

یہ سب حکمت کی باتیں ہیں اور مختلف قسم کے اسرار اپنے اندر رکھتی ہیں- جو شخص قدرت کے کاموں پر غور کرتا ہے وہ ان سے واقف ہوجاتا ہے اور جو شخص آنکھیں بند کرلیتا ہے وہ اعتراض کرنے لگ جاتا ہے اور اس میں شُبہ ہی کیا ہے کہ ٹھوکریں کھانے والا اعتراض ہی کرے گا- انگریزی میں مثل ہے کہ اگر کوئی پیشہ ور اچھا نہ ہوتو وہ ہتھیاروں کے متعلق یہ شکایت ہی کرتا رہتا ہے کہ وہ خراب ہیں' کبھی کہہ دے گا کہ تیشہ ناقص ہے' کبھی کہہ دے گا فلاں اَوزار تیز نہیں اور بجائے اپنا نقص دیکھنے کے ہتھیاروں پر اعتراض کرتا اور آلات کے متعلق عیب چینی کرتا رہے گا لیکن اس طرح کامیابی نہیں ہوسکتی- اعتراضات کا طُومار بھی اگر کھڑا کردیا جائے تو وہ کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرسکتا- کامیابی ہمیشہ تبھی ہوتی ہے جب صحیح طریق اختیار کیا جائے اور صحیح ذرائع کا استعمال کیا جائے- پس جس مقصد اور کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو کھڑا کیا ہے یعنی اسلام کی وہ پُرامن اور پُرنفع تعلیم جس کے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا اسے پھر دنیا میں رائج کرنا- اس تعلیم کے اصول اگرچہ قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن انہیں پُرحکمت طور پر عمل میں لانا یہ ہمارا کام ہے- اگر ہنگامی طور پر کام کیا جائے تو

وہ کوئی فائدہ نہیں دے سکتا- فرض کرو اس مجلس میں مَیں کہوں کہ پانی لاؤ تو بالکل ممکن ہے دو تین سَو آدمی اُٹھ کر چلے جائیں- اسی خیال کے ماتحت کہ ان میں سے ہر ایک اس آواز کے مطابق عمل کرے اور بالکل ممکن ہے کہ ایک بھی نہ جائے اس خیال کے ماتحت کہ ممکن ہے کوئی اور چلا گیا ہو تو ہنگامی کام ہمیشہ ناقص رہتے ہیں- جس چیز کے ساتھ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے وہ تنظیم اور اصلاح ہے اور اس کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ سلسلہ کا ہر فرد اور ہر ذرہ ہماری نظروں کے سامنے ہو- جب کسی تنظیم میں یہ نقص رہ جائے کہ اس کے افراد نگاہوں کے سامنے نہ آئیں تو وہ تنظیم بگڑ جاتی ہے اسی وجہ سے ہم نے مرکز کا کام مختلف حلقوں میں تقسیم کیا ہوا ہے اور مختلف حلقوں کی الگ الگ مساجد ہیں تاکہ تمام عہدیدار اپنے حلقہ کے ہر فرد سے واقف ہوں اور ان کی صحیح رنگ میں تربیت کر سکیں-

درحقیقت مساجد ہی ایک ایسی جگہ ہیں جہاں ہمارے تمام کام ہوتے ہیں- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریریں بھی مسجد میں ہوتی تھیں' جلسے بھی مسجد میں ہوتے تھے' مشورے بھی مسجد میں ہوتے تھے- اور تاریخِ اسلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں نکاح بھی مساجد میں ہوتے تھے' جھگڑوں کا تصفیہ بھی مسجد میں ہوتا تھا[1]' نمازیں بھی مسجد میں ہوتی تھیں' جہاد کے مشورے بھی مسجد میں ہوتے اور جب مومن کا ہر کام اس کی عبادت سمجھا جاتا ہے اور جب اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ خداتعالیٰ کیلئے اگر کوئی روٹی بھی کھاتا ہے تو وہ نیکی کرتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ نمازوں کے علاوہ ہمارے باقی کام جو مساجد سے تعلق رکھیں وہ عبادت میں شامل نہ ہوں- اس صورت میں جھگڑوں کے موقع پر فیصلے کرنا' جہاد کیلئے مشورے کرنا اور لڑائیوں کیلئے پریکٹس کرنا محض قضاء یا مشورہ یا جنگ کی پریکٹس کرنا نہیں کہلائے گا بلکہ یہ کام بھی عبادت میں شمار ہوں گے- احادیث میں صاف طور پر ذکر ہے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ مسجدِ نبوی میں فوجی کرتب دکھلائے گئے- رسول کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو بلایا اور فرمایا کہ کیا جنگی کرتب دیکھنا چاہتی ہو؟ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! دیکھنا چاہتی ہوں- تب آپ نے فرمایا میری پیٹھ کے پیچھے ہو جاؤ اور کندھے کی اوٹ میں جنگی کرتب دیکھتی جاؤ[2] -

غرض اسلام کے نزدیک مساجد منبع ہیں تمام کاموں کا اور سرچشمہ ہیں مسلمانوں کی تمام جدوجہد کا- اور حلقہ وار انجمنوں کا قیام اسی غرض کیلئے کیا گیا ہے کہ کارکن اپنے فرائض کو

سمجھیں اور ان مقاصد کو اپنے سامنے رکھیں جن کیلئے یہ تقسیم عمل میں لائی گئی ہے۔ عہدہ داروں کو چاہیئے کہ وہ اپنے حلقہ کے تمام افراد کو اپنے زیرِ نظر رکھیں اور ہر شخص کی شکل اور اس کے نام سے ذاتی واقفیت پیدا کریں اور جو لڑکے دس سال سے اوپر کے ہوں ان کیلئے یہ لازمی قرار دیں کہ وہ مسجد میں نماز پڑھیں۔ قرآن کریم نے ہر فرد کو اپنی اولاد کا ذمہ وار قرار دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا[۲] - اے لوگو! تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم نہ صرف اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی بچاؤ پس ہر شخص اپنی بیوی اور بچوں کا ذمہ وار ہے۔ اس سے صرف یہی نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نماز پڑھتے تھے یا نہیں، صرف یہی نہیں پوچھا جائے گا کہ تم زکوٰۃ دیتے تھے یا نہیں، تم روزے رکھتے تھے یا نہیں، تم حج کرتے تھے یا نہیں بلکہ یہ بھی پوچھا جائے گا کہ تمہارے بیوی بچے بھی زکوٰۃ دیتے، روزے رکھتے تھے اور حج کرتے تھے یا نہیں؟ اور اگر کسی کے متعلق یہ ثابت ہوا کہ اس نے اپنی بیوی اور بچوں کے متعلق اس امر میں غفلت اور کوتاہی کا ثبوت دیا ہے تو وہ اس سزا کا مستحق ہوگا جو نماز چھوڑنے والے، روزہ نہ رکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے، حج نہ کرنے والے کیلئے مقرر ہے۔ پس ہر فرد اس امر کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنی اولاد کو مسجدوں میں حاضر کرے۔

بچوں کو مساجد میں لانا احادیث سے اس قدر تواتر سے ثابت ہے کہ کوئی اندھا ہی اس سے انکار کرسکتا ہے۔ حدیثوں میں صاف طور پر آتا ہے کہ پہلے مرد کھڑے ہوں پھر عورتیں اور پھر بچے[۳] - اگر بچوں کا نمازوں میں شامل ہونا ضروری نہیں تھا تو ان کا ذکر کیوں کیا گیا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ بچوں کو مسجدوں میں نہ لایا جائے مگر بچوں سے مراد وہ بچے نہیں جو بالکل چھوٹے ہوں اور مسجدوں میں آکر رونا چیخنا شروع کردیں۔ یا وہ بچے بھی مراد نہیں کہ بیوی آٹا گوندھنے لگے تو وہ اپنے میاں سے کہہ دے کہ ذرا اس بچے کو نماز میں لیتے جانا۔ میں نے ایک دفعہ دوستوں کو تحریک کی کہ بچوں کو مساجد میں لانا چاہیئے تو اس کے بعد میں نے دیکھا کہ لوگوں نے اپنے بالکل چھوٹے بچوں کو لانا شروع کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض دفعہ کوئی بچہ مسجد میں پاخانہ پھر دیتا، کوئی پیشاب کردیتا اور وہ اس قدر شور مچاتے کہ دوسروں کیلئے نماز پڑھنا مشکل ہوجاتا۔ تب میں نے سختی سے روکا کہ مسجدیں بچے کِھلانے کی جگہ نہیں ان کو اپنے گھروں میں رکھو۔ پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ اپنے بچوں کو مسجدوں میں لاؤ تو میری مراد یہ

ہے کہ اُن بچوں کو لاؤ جن کے متعلق شریعت یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ مسجدوں میں آئیں۔ جن لوگوں کے بچے آوارہ ہوا کرتے ہیں تم غور کرکے دیکھ لو ان میں سے اکثر ایسے ہی بچے ہوں گے جو بے نماز ہوں گے اور اکثر ایسے ہی والدین کے بچے ہوں گے جو اپنے بچوں کی نمازوں کی نگرانی نہیں کرتے ورنہ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے حضور تذلّل کرے اور پھر اس میں بگاڑ پیدا ہوجائے۔ پس بچوں کو مسجدوں میں لاؤ اور ان کو مسجدوں میں لانا اپنے آنے سے زیادہ اہم سمجھو۔

میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ تم آپ مسجد میں نہ آؤ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ چونکہ بچوں کا آنا تمہارے آنے کی نسبت مشکل ہے اس لئے اس کو اہمیت دو۔ یہ کام صرف اُس شخص کا نہیں جسے مربی اطفال مقرر کیا گیا ہے بلکہ ہر شخص کا جسے کوئی بھی بچہ ایسا نظر آئے جو مسجد میں نہیں آتا فرض ہے کہ وہ اسے مسجد میں لانے کی کوشش کرے۔ مگر اس طرح سے نہیں کہ ایک دکان پر بیٹھ گئے اور کہنا شروع کردیا کہ فلاں کے بچے نماز نہیں پڑھتے' پھر وہاں سے اُٹھ کر دوسری دکان پر گئے اور کہنا شروع کردیا کہ فلاں کے بچے نماز نہیں پڑھتے' وہاں سے اُٹھے تو تیسری مجلس میں گئے اور وہاں بھی کہنا شروع کردیا کہ فلاں کے بچے بالکل آوارہ ہوگئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جن کے عیوب بیان کئے جاتے ہیں وہ دوسرے شخص کے عیب بیان کرنے لگ جاتے ہیں اور اس طرح اصلاح کی بجائے خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔ اصلاح کا طریق یہ ہے کہ جب تمہیں معلوم ہو کہ کسی کے بچے میں نقص ہے تو اپنے حلقہ کے پریذیڈنٹ اور سیکرٹری سے کہو اور پھر سمجھ لو کہ تمہارا کام ختم ہوگیا۔ یا اگر یہ سمجھو کہ جس شخص کے بچوں کے متعلق تمہیں شکایت ہے وہ حوصلے والا آدمی ہے اور وہ بات سن کر برداشت کرلے گا' تو اُس سے کہہ دو لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کا کوئی عیب سن ہی نہیں سکتے وہ اگر بچے کو چوری کرتے بھی دیکھ لیں تو کہیں گے چونکہ دروازے سے داخل ہونا اس کیلئے خطرناک تھا اس لئے اس نے سیندھ لگانی شروع کردی تھی ورنہ اس نے چوری نہیں کی۔ پس جس شخص کے متعلق تم سمجھو کہ وہ برداشت کی طاقت نہیں رکھتا اسے مت کہو اور جس شخص کے متعلق سمجھو کہ وہ بات برداشت کرلے گا اسے کہہ دو کہ اس کے بچے میں یہ نقص ہے اس کے ازالہ کی طرف توجہ کریں۔ اگر اپنے حلقہ کے پریذیڈنٹ' سیکرٹری اور سرپرست کے علاوہ کسی چوتھے شخص کے پاس بھی کسی شخص کا

کوئی عیب بیان کرے گا تو میرے نزدیک وہ مجرم سمجھا جائے گا۔ میں نے دیکھا ہے یہ ایک بہت بڑا عیب ہے جو اصلاح کے نام پر کیا جاتا ہے لوگ اس بہانہ کی آڑ میں کہ ہم تو اصلاح کیلئے دوسرے کے عیب بیان کررہے ہیں جگہ جگہ دوسروں کی عیب چینی کرتے پھرتے ہیں حالانکہ وہ خود اسلام کے خلاف عمل کررہے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے سورہ نور میں اس امر کا فلسفہ کھول کھول کر بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ قوم کو تباہ کرنے والا طریق ہے مگر پھر بھی لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ قرآن کریم میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کے پاس کسی کا عیب بیان کرتا ہے وہ اشاعتِ فحش کرتا ہے۵۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ آج کل تو لوگ بڑی چوریاں کرتے ہیں وہ قوم کی اصلاح نہیں کرتا بلکہ انہیں ترغیب دیتا ہے کہ تم بھی چوری کرو۔ یہ ایک ایسا فلسفیانہ نکتہ ہے کہ کوئی قوم اسے نظرانداز کرکے ترقی نہیں کرسکتی۔

درحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں عام طور پر دین کو قبول کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے یہ سُنا ہوا ہوتا ہے کہ ایک خدا ہے اور اس نے اپنا رسول بھیجا ہے ہمیں اس کے احکام پر عمل کرنا چاہیئے۔ وہ نمازیں پڑھیں گے مگر اس لئے نہیں کہ نماز میں فلاں فلاں حکمت ہے بلکہ اس لئے کہ خدا کا یہ ایک حکم ہے' روزے رکھیں گے مگر اس کی حکمت انہیں معلوم نہیں ہوگی۔ پس دنیا کا بیشتر حصہ ایسا ہوتا ہے جو اصولی طور پر چند باتیں سمجھ لیتا ہے اور باقی باتوں میں تقلیدی رنگ اختیار کرلیتا ہے خواہ بظاہر وہ غیرمقلّد ہی کیوں نہ کہلاتا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہزار میں سے ۹۹۹ یا ایک لاکھ میں سے ننانوے ہزار نَو سَو ننانوے ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو تقلیدی طور پر اسلامی احکام پر عمل کرتے ہیں۔ حکمتوں کو سمجھنے والے ان میں بہت کم ہوتے ہیں وہ اتنی بات سمجھ لیتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی ہر بات کو دوسری باتوں پر مقدم رکھنا چاہیئے۔ اس کے بعد وہ کسی حکمت کے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ صرف چند آدمی ایسے ہوتے ہیں جنہیں خداتعالیٰ کی طرف سے تَفَقُّہٌ فِی الدِّیْنِ عطا کیا جاتا ہے باقی سب مقلّد ہوتے ہیں خواہ وہ حُریّت کے دلدادہ ہی کیوں نہ کہلائیں۔ سورہ نور میں جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ جب اسلام کے احکام کی حکمت سمجھ کر عمل کرنے والے لوگ بہت قلیل ہیں تو باقی لوگ وہی رہ جاتے ہیں جو دوسروں سے اثر قبول کرتے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہو کہ دنیا یوں کرتی ہے تو وہ بھی اسی رنگ میں

رنگین ہوجاتے ہیں- اگر معلوم ہو کہ دنیا خراب ہوگئی ہے تو وہ بھی خراب ہوجاتے ہیں اور اگر معلوم ہو کہ دنیا نیک ہے تو وہ بھی نیکی کرتے رہتے ہیں اور اگر انہیں کسی وقت پتہ لگ جائے کہ جنہیں ہم نیک سمجھتے تھے وہ دراصل نیک نہیں تو اُسی دن ان کے دلوں سے بھی نیکی کی عظمت مٹ جاتی ہے اور وہ بھی بدی میں مبتلا ہوجاتے ہیں کیونکہ انہوں نے نیکی کو نیکی سمجھ کر قبول نہیں کیا ہوتا بلکہ عام اثر کے ماتحت ایک خیال کی تقلید اختیار کی ہوئی ہوتی ہے-

پس قرآن مجید نے بِالوضاحت یہ امر بیان کردیا ہے کہ جو شخص غیرذمہ دارانہ طریق پر کسی کے عیب بیان کرتا ہے وہ اشاعتِ فحش کرتا ہے اور وہ ویسا ہی مجرم ہے جیسا کہ گناہ کرنے والا- اگر ایک شخص نے چوری کی تو یہ اس کا ایک ذاتی فعل ہے مگر ایک دوسرا شخص اگر ہر جگہ بیان کرتا پھرے گا کہ آج کل لوگ بڑی کثرت کے ساتھ چوریاں کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چوری کی ہیبت دلوں سے مٹ جائے گی اور سننے والوں میں سے بھی کئی چور بن جائیں گے- پس دوسرے کی چوری کے عیب کو ظاہر کرنے والا قوم کا ہمدرد نہیں کیونکہ چوری تو ایک شخص نے کی مگر اس نے چوری کی ہیبت کم کرکے بیسیوں شخصوں کو چور بنادیا- ایسے اشخاص یقیناً اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں سرزنش کی جائے اور ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے- میں نے بہت کچھ سوچنے اور غوروفکر کرنے کے بعد رسول کریم ﷺ کی اس سنت کے مطابق کہ دیت ساری قوم پر ڈالی جائے فیصلہ کیا ہے کہ مرکزِ سلسلہ میں جس محلّہ کے کسی فرد کے متعلق آئندہ یہ ثابت ہو کہ وہ دوسروں کے عیب بیان کرتا رہتا ہے اس تمام محلّہ پر اس کی حیثیت کے مطابق جُرمانہ ڈالا جائے تاکہ آئندہ ہر شخص احتیاط کرے اور جس کسی کے پاس بھی کوئی کسی کا عیب بیان کرنے لگے وہ اسے فوراً روک دے-

میں نے اس مقصد کیلئے بہت کثرت سے دعائیں کی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی تھی کہ وہ اس نقص کے ازالہ کا کوئی طریق سمجھائے تب یکدم جس طرح الہام ہوتا ہے میرے دل میں ڈالا گیا کہ اس کے علاج کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ جس محلّہ کے کسی فرد کے متعلق ثابت ہو کہ وہ لوگوں کی عیب چینی کرتا رہتا ہے اور محلّہ کے لوگ اسے روکتے نہیں اس تمام محلّہ پر اس کا جُرمانہ ڈالا جائے تاکہ ہر شخص چوکس ہوجائے اور آئندہ احتیاط کے ساتھ اپنی زبان کھولے- جب تک لوگوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا نہ ہو کہ دوسروں کی حُرمت اور ان کی عزت کا پاس کیا جائے اُس وقت تک کبھی اصلاح نہیں ہوسکتی پس محلّہ

کے عہدیداروں کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے محلّہ کے مردوں اور بچوں کی شکلیں پہچانیں اور ہر فرد سے ذاتی واقفیت پیدا کریں' اس کے بعد ان کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ بچوں کو نماز باجماعت کی پابندی کی عادت ڈالیں اور پھر تیسرا کام یہ ہے کہ اپنے محلّہ کے لوگوں کے اخلاق کی اصلاح کریں۔ جب کسی کا عیب معلوم ہو خصوصاً اپنے دوست اور رشتہ داروں کا تو ہر شخص کا فرض ہے کہ یہ معاملہ پریذیڈنٹ' سیکرٹری اور سرپرست کے نوٹس میں لائے مگر اس طریق پر کہ معاملہ پیش کرنے میں غصہ' بُغض اور کینہ کپٹ نہ ہو بلکہ خالص اصلاح اور محبت کا جذبہ کام کررہا ہو اور اگر کسی شخص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ کسی کا عیب غیر متعلق شخص کے سامنے بیان کررہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ مجرم ہے اور فتنہ پیدا کررہا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ اس کا منہ بند کرو اور اگر اسے نہیں روکو گے تو سارا محلّہ تعزیر کا مستحق سمجھا جائے گا۔ گویا ہماری جماعت کے دوستوں کی اصلاح کیلئے یہ ایک اخلاقی جنگ ہوگی اور یہ ویسی ہی بات ہوگی جیسے ڈاکٹر کے پاس لوگ جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے پھوڑے میں نشتر مارو۔ اب کوئی شخص نہیں کہتا کہ کتنا غضب ہوگیا ڈاکٹر نے نشتر چبھودیا۔ اسی طرح جب کوئی شخص ہمیں آکر کہتا ہے کہ میری اصلاح کرو تو ہمارا حق ہے کہ ہم درستیٔ اخلاق کیلئے مناسب قدم اٹھائیں۔ اگر اس کی نیت اصلاح کی ہوگی تو وہ ہمارے ساتھ رہے گا اور اگر نیت نہ رہے گی تو کہہ دے گا جاؤ جی میں بیعت توڑتا ہوں اس کے بعد ہمارا اس شخص پر کوئی حق نہیں رہے گا۔ بہرحال جب کوئی شخص ہمارے پاس آجاتا ہے تو اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ہمارے بتائے ہوئے طریق کے مطابق کام کرے کیونکہ بیعت کے بعد کسی مومن کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنا قدم پیچھے ہٹائے۔

رسول کریم ﷺ جب مدینہ گئے تو انصار سے آپ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر مدینہ پر کوئی قوم حملہ آور ہوئی تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر جنگ کرنی پڑی تو ہم ساتھ نہیں دیں گے[۶]۔ جنگ بدر کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے انصار و مہاجرین کو اکٹھا کیا اور فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ مہاجرین نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! مشورہ کا کیا سوال ہے آپ آگے بڑھیں اور لڑیں ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ آپ نے پھر فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ مہاجرین نے پھر کہا یَارَسُوْلَ اللہ! ہماری رائے تو یہی ہے کہ آپ لڑیں۔ آپ نے پھر فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ اس پر انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! شاید لوگوں سے مراد آپ کی ہم انصار ہیں کیونکہ مہاجرین تو پے درپے کھڑے

ہوئے اور انہوں نے اپنی خدمات بھی پیش کیں مگر آپ نے یہی فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو اس لئے شاید اس سے مراد ہم انصار ہیں- آپ نے فرمایا ہاں- اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! بیشک جب اسلام کا نور ابھی ہم میں کامل طور پر داخل نہیں ہوا تھا تو ہم نے آپ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم مدینہ میں ہی دشمن سے لڑیں گے مدینہ سے باہر اگر جنگ ہوئی تو اس میں شامل نہیں ہوں گے- مگر یَارَسُوْلَ اللہ! اب تو اسلام ہمارے رگ و ریشہ میں سرایت کرچکا ہے سامنے سمندر ہے آپ ہمیں حکم دیجئے ہم ابھی اس میں کود پڑتے ہیں اور آپ یہ مت خیال کیجئے کہ ہم آپ سے پیچھے رہیں گے خدا کی قسم! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور کوئی دشمن اُس وقت تک آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ہماری نعشوں کو روندتا ہوا نہ گذرے ے - یہ وہ ایمان ہے جو بیعت کے بعد ہر انسان کو حاصل ہونا چاہیئے اور یہی ایمان ہے جس کے پیدا کرنے کا آپ لوگوں نے اقرار کیا ہے اس کے بعد اگر نظام سلسلہ کی طرف سے کسی کی اصلاح کی غرض سے کوئی قدم اٹھایا جائے تو اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ اس پر شور مچائے- آخر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اصلاح کی جائے مگر اس کیلئے کوئی سامان نہ کئے جائیں- یہ تو ویسی ہی بات ہوجاتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی کنجوس شخص تھا اس کا یہ طریق تھا کہ وہ ایک عورت سے شادی کرتا کچھ دنوں کے بعد اس کے روپیہ اور زیور وغیرہ پر قبضہ کرکے اسے چھوڑ دیتا- پھر دوسری شادی کرتا کچھ عرصہ کے بعد اسے بھی چھوڑ دیتا- اسی طرح اس نے کئی شادیاں کیں اور کسی نہ کسی بہانے سے سب کو نکال دیا- آخر ایک اور عورت سے شادی کی وہ ہوشیار اور عقلمند تھی- کئی مہینے گذر گئے مگر اس نے کوئی ایسا امر ظاہر نہ ہونے دیا جو اسے ناگوار گذرتا- اس شخص کو خیال آیا کہ اگر یہ اس طرح میرے پاس رہی تو میں اس کے زیورات وغیرہ پر قبضہ کس طرح کرسکوں گا- پھر وہ بھی چونکہ بُڈھا ہوچکا تھا اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں مرگیا تو میری دولت پر بھی یہ قابض ہوجائے گی- ایک دن یہ سوچ کر باورچی خانہ میں چلا گیا بیوی روٹیاں پکا رہی تھی جاتے ہی اس نے جوتا اُٹھالیا اور بیوی کے سر پر مارنے لگا اور کہنے لگا کمبخت تُو روٹی تو ہاتھوں سے پکاتی ہے تیری کُہنیاں کیوں ہلتی ہیں- وہ عورت عقلمند تھی کہنے لگی آپ ناراض ہوکر کیوں اپنی طبیعت خراب کررہے ہیں روٹی تیار ہے کھانا کھالیجئے اس کے بعد جتنا جی چاہے مجھ پر غصہ نکال لیں- خیر اس کی باتوں سے وہ کچھ ٹھنڈا ہوا اور روٹی کھانے بیٹھ گیا- جب روٹی

کھارہا تھا تو بیوی جُوتا لے کر کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی کمبخت تُو کھانا تو منہ سے کھاتا ہے تیری ڈاڑھی کیوں ہلتی ہے۔ اُس نے ہاتھ جوڑ دیئے کہ آج سے میرا تیرا مقابلہ بند ہوا تُو جیتی اور میں ہارا۔ جس طرح روٹی پکاتے ہوئے کہنی ہلے گی اور کھانا کھاتے ہوئے ڈاڑھی ہلے گی اسی طرح جب کوئی شخص لوگوں کی اصلاح کرنا چاہے گا تو اسے بعض لوگوں کو سزا بھی دینی پڑے گی۔ پس اصلاح کے بتائے ہوئے طریقوں پر آپ لوگ کام کریں۔

ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ جب وہ کسی کا عیب دیکھے اسے خود دور کرنے کی کوشش کرے اور اگر دیکھے کہ اس کی اصلاح ہوگئی ہے تو وہ خاموش ہوجائے اور اس عیب کا کسی دوسرے کے پاس ذکر تک نہ کرے۔ اور اگر وہ دیکھتا ہے کہ وہ خود اصلاح نہیں کرسکتا تو محلّہ کے پریذیڈنٹ وغیرہ کے پاس پہنچے اور اگر دیکھے کہ وہ بھی توجہ نہیں کرتے تو پھر جو ان پر عہدیدار مقرر ہیں انہیں توجہ دلائے۔ مثلاً لڑائی جھگڑوں کے معاملات نظارت امورعامہ میں پیش کرنے چاہئیں اور اصلاح یا محبت باہمی وغیرہ کیلئے اصلاح وارشاد کے محکمہ میں جانا چاہیئے لیکن ان کے علاوہ اور کسی کے پاس دوسرے کا عیب بیان نہیں کرنا چاہیئے اور اگر کوئی کرے گا تو وہ فتنہ کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ یہ طریق ہے جو اصلاح کا ہے اگر آپ لوگ اس کو چلانے میں مدد دیں گے تو دیکھیں گے کہ لڑائیاں جھگڑے اور فتن کس طرح دور ہوجاتے ہیں۔ ہر چیز ہمیشہ اپنے ماحول میں پنپتی ہے ایک باغی تبھی پنپ سکتا ہے جب وہ اپنے اردگرد بغاوت کی باتیں سنتا ہے اگر بغاوت کی باتوں پر سرزنش کی جائے تو باغی پیدا ہونے بھی بند ہوجائیں گے۔ اسی طرح لڑائی جھگڑے بھی تبھی پیدا ہوتے ہیں جب انسان لڑائی جھگڑوں کی باتیں سنتا ہے اگر باتیں ہونی بند ہوجائیں تو لڑائی جھگڑے بھی نہیں ہوں گے اور اس دنیا میں آپ لوگوں کو جنت مل جائے گی۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کیلئے اللہ تعالیٰ نے دو جنتوں کا وعدہ کیا ہوا ہے[۸]۔ جسے اس جہان میں جنت ملی اسی کو اگلے جہان میں جنت ملے گی مگر آپ لوگ روزانہ اس دنیا میں جہنم دیکھتے ہیں اور پھر بھی جنت کی امید رکھتے ہیں۔ جنت کی تعریف خداتعالیٰ نے یہ کی ہے کہ وہاں دل میں کسی کے متعلق کوئی بُغض اور کینہ نہیں ہوگا۔ پس ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم اپنے دلوں کو دوسروں کے بُغض اور کینہ سے پاک کردیں تاکہ اس دنیا میں ہمیں جنت حاصل ہو۔

مَیں بعض دفعہ کسی کی اصلاح کی غرض سے کوئی قدم اُٹھاتا ہوں تو ساتھ ہی میرا دل بھی

گھٹ رہا ہوتا ہے اور میں اس کیلئے یہ دعا کرنی شروع کردیتا ہوں کہ الٰہی! اس قدم سے یہ کسی ابتلاء میں نہ پڑجائے کیونکہ میں نے یہ قدم محض اس کی اصلاح کی خاطر اُٹھایا ہے اور یہ خداتعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ آج تک کسی ایک شخص کا بھی میرے دل میں بُغض پیدا نہیں ہوا۔ ہاں ان افعال سے بُغض ضرور ہوتا ہے جو سلسلہ احمدیہ اور دین اسلام کے خلاف کئے جاتے ہیں۔ لیکن افعال سے بُغض بُغض نہیں کہلاتا بلکہ وہ اصلاح کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ ہم چوری کو بیشک بُرا کہتے ہیں لیکن چور سے ہمیں کوئی بُغض نہیں ہوتا وہ اگر چوری چھوڑ دے تو ہم ہروقت اس سے صلح کرنے کیلئے تیار ہوں گے۔ پس اصلاح محبت کے جذبات کے ماتحت کرنی چاہیئے لیکن میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ محض دوسرے کو نقصان پہنچانے کی خواہش میں دوسرے کی شکایت کردیتے ہیں۔ ان کے مدِّنظر یہ نہیں ہوتا کہ اس کی اصلاح ہوجائے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اسے نقصان پہنچے۔ ایسے لوگ جب میرے پاس کسی کے متعلق شکایت کرتے ہیں اور میں محبت اور پیار سے اسے سمجھاتا ہوں اور وہ سمجھ جاتا ہے تو شکایت کرنے والے کہنے لگ جاتے ہیں بھلا اصلاح کس طرح ہو ہم نے فلاں کی شکایت خلیفۃ المسیح تک بھی پہنچائی مگر انہوں نے کچھ نہ کیا۔ گویا ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کی شکایت کی جائے اس کے خلاف ضرور کوئی قدم اُٹھایا جائے حالانکہ یہ اصلاح کا آخری طریق ہے اس سے پہلے ہمیں محبت اور پیار سے دوسروں کو سمجھانا چاہیئے اور اگر وہ سمجھ جائیں تو ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ ہمارے ایک بھائی کی اصلاح ہوگئی۔

(الفضل ۱۳- جنوری ۱۹۶۰ء)

۱؎ بخاری کتاب الاحکام باب من قضی ولاعن فی المسجد

۲؎ بخاری کتاب النکاح باب نظر المرأۃ الی الحبشِ (الخ)

۳؎ التحریم:۷

۴؎

۵؎ النور:۱۷تا۲۰

۶؎،۷؎ سیرت ابن ہشام الجزء الثانی صفحہ ۱۲-۱۳ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ‘

بخاری کتاب المغازی باب قول اللّٰہ تعالٰی اِذ تَستَغِیثُونَ رَبَّکُم (الخ)

۸؎ الرحمٰن:۴۷